بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

ایمان ایک بیع یا معاہدہ ہے اللہ تعالیٰ سے۔ اِس معاہدے کی بنیاد شعور و دلائل پر ہوتی ہے اور یہ کسی دباؤ کے بغیر آزادیِ ضمیر اور اختیار کے ساتھ استوار کیا جاتا ہے۔

ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت کے نتیجے میں آدمی رضاکارانہ طور پر کچھ چیزوں کو مسترد اور کچھ کو قبول کرتا ہے، کچھ کو اپنے لیے جائز اور حلال اور کچھ کو ناجائز اور حرام تسلیم کرتا ہے۔ کچھ امور کے لیے اس کی طبیعت میں رغبت اور کچھ کے لیے نفرت و کراہت کام کرنے لگتی ہے۔ بعض رابطوں کو وہ ناپسند کرتا ہے اور بعض کو پسند۔ اس کے ذہن میں ایک نیا نقطۂ نظر (OUTLOOK) اور ایک پیمانۂ اقدار کام کرنے لگتا ہے۔ اس کے ضمیر میں قوت اور بیداری پیدا ہوتی ہے اور ہر وہ چیز جو ایمان کے خلاف ہو اُس پر وہ ٹوکنے لگتا ہے۔

مختلف نظریات، تحریکیں، نظام، شخصیتیں اور کردار اس کے سامنے آتے ہیں اور اُس کا ایمانی شعور اسے احساس دلا دیتا ہے کہ تم کدھر کتنا جھکاؤ اختیار کر سکتے ہو اور کدھر نہیں — خواہشوں، جذبوں، مفاد، لذتوں، ردّعملی لہروں کا جو ہجوم آدمی کو گھیرے رہتا ہے اس میں بھی ایمانی شعور اور اس سے وابستہ ضابطۂ قرآن و سنت، ہی رہنمائی دیتا ہے کہ کس چیز کو کن حالات میں کتنی وقعت دی جا سکتی ہے۔ ایمان ایک مسلسل جنگ کا محرک ہے جو ایک طرف اپنے نفس کے خلاف، دوسری طرف ناسازگار ماحول کے خلاف، تیسری طرف اس ایمان سے ٹکرانے والے نظریات و افکار کے خلاف عمر بھر جاری رکھنی ہوتی ہے۔ ایمان ہی کی قوت پر اس کا دارومدار ہے

کہ یہ جنگ جاری رہے، پُرجوش طریق سے اقدام ہو، جو زخم اور نقصانات پیش آئیں، حوصلے سے برداشت کیے جائیں، اور پسپائی ـــــ خواہ چیونٹی کی رفتار سے ہو ـــــ کسی حال میں قبول نہ کی جائے، اور اس جنگ کے لیے زیادہ سے زیادہ سپاہ اور زیادہ سے زیادہ وسائل اکٹھے کرنے کی مہم ساتھ ساتھ جاری رہے۔ یعنی ایمان کو انجیل کی اصطلاح میں ایک ایسا خمیر ہونا چاہیے کہ جو جہاں جہاں تک اثر کرے خمیر بناتا چلا جائے۔

ایمان اگر شعوری اور جاندار ہو تو اس کے ساتھ لازمی طور پر ایک درخشاں کردار نشوونما پاتا ہے۔ کردار بمعنی اخلاقی تصور کے، اور کردار بہ معنی ایک مستقل مجموعی رویّے کے بھی۔ یہ عمل بھی رضاکارانہ عمل ہے کہ سوچنے سے لے کر رفتار و گفتار اور مجموعی کردار تک، ہر چیز میں آدمی اپنے اُوپر پابندی عاید کرلے کہ اُسے بعض چیزوں کو کبھی اختیار نہیں کرنا ہے اور اسی طرح یہ التزام کرلے کہ فلاں فلاں ہدایات کے مطابق اپنے آپ کو چلانا ہے۔ مثلاً آپ نے طے کر لیا کہ مجھے تمام عمر جھوٹ یا وعدہ خلافی سے پرہیز کرنا ہے، مجھے حسبِ مقدرت خدا کی راہ میں انفاق کرنا ہے، مجھے خدا کے بندوں سے محبت کرتے ہوئے اُن کی خدمت کرنی ہے، مجھے کبر، ریا اور نمائش اور شہرت کے چسکوں سے بچنا ہے، مجھے صاف صاف طریق سے حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دینا ہے، مجھے منظم زندگی گزارنی ہے، مجھے جماعت کا ساتھ دینا ہے، مجھے سمع وطاعت کا حق ادا کرنا ہے، مجھے خدا و رسولؐ اور دینِ برحق کے علاوہ ہر مسلمان کی، جماعت کی اور جماعت کے اکابر کی خیرخواہی کے تقاضے بھی پورے کرنے ہیں۔ مجھے غیبت اور نجوئی سے بچنا ہے، مجھے رازداری مجالس کا پاس کرنا ہے، مجھے لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں اور شکر رنجیاں پیدا کرنے کے بجائے اُن میں صلح وسازگاری کو بڑھانا ہے، مجھے اپنے سے بڑوں کی تعظیم کرنی ہے اور چھوٹوں اور کمزوروں کے لیے شفقت کا طرزِ عمل اختیار کرنا ہے، مجھے جتھا بندیاں نہیں پیدا کرنی ہیں، مجھے کسی دوسرے کو کہنی نہیں مارنی ہے اور کسی کی ٹانگ نہیں کھینچنی ہے اور اگر کوئی شخص یا گروہ اجتماعیت سے ناجائز ذاتی فائدہ اُٹھائے تو اسے جرأت سے ٹوک

دینا ہے۔

ایمان والے آدمی کی اوّلین و آخرین ترجیح اپنے مقررہ نصب العین کی خدمت ہے۔ اس سے توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ اس نصب العین سے محبت کرنے اور اس کی خدمت کے دلدادگان کو مغالطہ دے کر ذاتی مفاد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا، وہ تحریکِ اقامتِ دین کے شجرۂ طیبہ پر نفسانیت کی بیل کو نہیں پھیلنے دے گا، وہ دین کی خدمت کی آڑ میں دُنیا نہیں بنائے گا۔

ایمان والوں کا کام لہو و لعب سے دُور رہنا ہے۔ ان کو نہ صرف رقص و سُرود اور غنائیات سے اور مخلوط تقاریب اور بے پردگی و بے حیائی کے تمام مظاہر سے گریز کرنا ہے۔ اور ان کے خلاف معاشرے میں محاذ پیدا کرنا ہے، بلکہ ہر وہ چیز جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہو، اس کا ترک ہی نہیں کرنا، اسے قابلِ نفرین سمجھنا ہے۔

بڑی باتیں تو بڑی باتیں، ایک سچے صاحبِ ایمان کے اندر بیٹھا ہوا خفیہ نگہبار و پاسبان تو اسے اس کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ وہ لوگوں کے سامنے تھوکے، گذرگاہ میں کوئی روڑے کنکر یا کوئی گندگی پھینکے، جمائی لے تو پورا منہ کھول دے، ڈکار لے تو کھلے منہ کے ساتھ "ہاؤ" کرے، چھینک یا کھانسی آئے تو منہ پر رومال یا ہاتھ تک نہ رکھے، کسی بھی ناگوار حرکت پر قریب کے متاثرین سے معذرت تک نہ کرے، کھانا کھائے تو ہاتھ دھونے یا بسم اللہ پڑھنے سے بے نیاز رہے، کوئی احسان کرے تو شکریہ تک ادا نہ کرسکے، غرض کہ زندگی کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تمام چھوٹے اور بڑے معاملات میں اسے ایمانی شعور اور علم کتاب و سنّت (جس کا بقدرِ ضرورت حاصل کرنا لازم ہے) کے مطابق ایک خاص طرزِ عمل کی پابندی کرنی ہے۔ اور اس کی برعکس صورتوں سے اجتناب کرنا ہے۔

یہ سارا کچھ کسی خارجی دباؤ سے نہیں ہوسکتا، اس کے لیے داخلی دباؤ ہی کارآمد ہے۔ صرف ایمانی شعور یا شعوری ایمان کا دباؤ۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی رویہ رضاکارانہ رویہ ہے، یعنی اپنے اُوپر خود عاید کردہ دینی ضابطے اور پابندیاں —— اور پھر اُن کو دو چار دن نہیں، سال دو سال نہیں، ساری عمر نبھانا۔ حالات کی گردشیں کچھ ہی ہوا کریں، ضروریات کیسی کیسی

پیدا ہوتی رہیں، ماحول کیا کیا دباؤ ڈالتا رہے، اکثریت کی روش کیسی کیسی رغبتیں اور ترغیبیں پیدا کرے، اس سارے سیلابِ مزاحمت کی تند و تیز موجوں کے سامنے ایک مومن صرف رضائے الٰہی اور جزائے اخروی کے لیے مضبوطی سے کھڑا رہتا ہے۔ اگر کوئی شخص سالہا سال کھڑا رہا لیکن ایک بار خود اس کی اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اس کے قدم اکھڑ گئے اور مخالفانہ حالات کے دھارے میں بہہ نکلا تو اس نے ساری محنتوں سے حاصل کردہ کمائی پل بھر میں ضائع کر دی یعنی کہ ساری عمر بخیر و خوبی گزار کر موت سے کچھ ہی پہلے وہ بہک گیا تو وہ زندگی کا سارا اکاؤنٹ ختم ہو گیا۔ خدا ہر صاحبِ ایمان کو ایسے خسران سے بچائے۔

خسران سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی باقاعدگی سے اپنا احتساب خود کرتا رہے۔ ہر نماز کے بعد اور ہر دن کو ختم کرنے پر۔ وہ یہ دیکھے کہ کسی ادنیٰ رفتار سے بھی عقاید میں، عبادات میں، مقاصد میں، اخلاق میں، تحریکی جد و جہد میں، فریضہ سمع و طاعت میں، دعوتِ حق کے پھیلانے میں پسپائی تو نہیں ہو رہی؟ فخر و ریا اور شہرت طلبی اور مفاد پسندی کی منحوس پرچھائیاں تو ذہن پہ نہیں پڑ رہیں؟

خرابی جب آتی ہے تو چوروں کی طرح دم سادھے ہمارے حریمِ ذات میں داخل ہوتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر اپنا زہر پھیلاتی ہے۔ آدمی اپنے نفس اور ماحول کے دباؤ سے بعض امور میں ہلکی ہلکی تاویلیں کرتا ہے اور انحرافی طرز اختیار کرنے کے لیے خاصے دلائل جمع کرتا ہے تاکہ اپنے ضمیر کا مقابلہ کر سکے۔ تاویلوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اصول و حدود اور مقاصد و غایات اور اخلاق و شعائر کی جو لکیریں کتاب و سنت کی روشنی میں بہت سوچ سمجھ کر لگائی تھیں اور جن کی سالہا سال تک پاسداری کی ہے انہیں ذرا سا آگے پیچھے کیا جا سکے۔ بس ایک دفعہ اگر کسی گوشے میں یہ عمل کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر دوسرے گوشوں میں بھی ایسا ہونے لگتا ہے۔ پہلے اگر پسپائی یا انحراف کا عمل انچ کے دسویں حصے تک محدود تھا تو کسی دوسرے مرحلے میں پورے انچ کا فرق پڑ جاتا ہے اور بعد ازاں کسی اور موقع پر فٹ بھر کا، اور آگے چل کر میل بھر کا۔

تاریخ میں انسانی کردار کے لیے سنتہ اللہ یہی ہے کہ جو تھوڑا سا آگے بڑھنے کے لیے زور لگاتا ہے، اسے زیادہ پیش قدمی کے لیے حالات مہیا کیے جاتے ہیں، اسی طرح جو قدم کو پیچھے ہٹاتا ہے اُس کو مزید پیچھے ہٹانے والے حالات پیش آتے ہیں۔ (فولہ ما تولّٰی)

اس خطرے سے تحفظ صرف احتساب میں ہے۔ احتساب کرتے ہوئے ہمیشہ اپنے اوّلین طے کردہ خطوط و حدود کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے اور پھر دیکھنا چاہیے کہ ان خطوط و حدود میں کیا تبدیلی کی گئی۔ یوں بھی سوچا جا سکتا ہے کہ کل تک کسی معاملے کے التزام یا کسی غلط چیز سے اجتناب کے بارے میں ایک شخص (یا سارا گروہ) کہاں قدم جمائے ہوئے تھا اور آج کہاں ہے!

سامنے رمضان کا مہینہ ہے جو ماہ صبر و تقویٰ ہونے کے علاوہ احتساب کا بھی خاص مہینہ ہے۔ روزے کی حالت میں، نمازوں میں، تراویح میں، سحری کے وقت، زیادہ مبارک گھڑیاں ایسی نصیب ہو سکتی ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص اپنا ایمانی احتساب کرے کہ رضاکارانہ طور پر جن ذمہ داریوں کو اُٹھایا تھا اُن میں کوئی فرق تو نہیں آگیا؟ اور یہ فرق محسوس ہو تو خدا سے مدد کی درخواست کے ساتھ اپنے ایمانی مرتبے کو بحال کرنے کی کوشش کی جائے۔ اسی پر تحریک اقامتِ دین کی کامیابی کا انحصار ہے۔

ایک ضروری تصحیح

مجھے سخت افسوس ہے کہ سابق شمارے میں ایک آیتِ قرآنی صحیح درج نہیں ہوئی، اب اس کی تصحیح کر لیں:

لکیلا تأسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا علیٰ ما اٰتکم۔

(ن۔ ص)